Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور

Year 2024; Vol 03 (Issue 01)
PP. 162-173 https://journals.gscwu.edu.pk/

ثناء نورین

ایم فل سکالر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

ڈاکٹر بازغہ قندیل

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

Sana Naureen

M. Phil Scholar, Department of Urdu, Govt. College Women University Faisalabad.

Dr. Bazghah Qandeel

Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College Women University Faisalabad.

اختر رضا سلیمی بطور شاعر

Akhtar Raza Saleemi as a Poet

Abstract

Akhtar Raza Saleemi was brought into the world on 16 June 1974, at Kekot Khyber Pakhtunkhwa, Pakistan. He accepted his primer schooling in his own town and learnt Urdu, Persian and so on at an early age. Later he moved to Karachi for where he rehashed his registration and Intermediate. He moved to Islamabad for higher examinations and finished his graduation from the renowned Allama Iqbal College. Akhtar was basically a writer of the ghazal custom anyway he confined himself from being a generalization and examination his abilities in other sort of writing like nazam, fiction, novel and so forth. His verse assortments 'Khawab Daan' has been applauded by the pundits. Akhtar Raza saleemi is a perceived writer of both ghazal and nazm. He has distributed a few verse books and has been valued for his

work by pundits. He remained in the class of verse till 2008 and afterward began exploring different avenues regarding the style of novel composition. His verse being viewed as a particular mix of dream and reality. As well as getting Joined Bank's Best Fiction Author grant, he has two times won the Abasin Expressions Chamber Grant. Craftsman Wasi Haider made a thousand and one compositions for the front of his Saleemi's clever Wake Up in a Fantasy, so the front of each duplicate of the primary version of this novel was unique.

Key Words: Akhtar raza saleemi, Urdu fiction, Urdu artist," Khwab Daan", "Irtafah", "Ikhtrah" Scholarly advancement, Etymological investigation, Contemporary writing.

اختر رضا سلیمی کا شمار ہمارے دور کے نامور شاعروں میں ہوتا ہے، ایک اہم اور معتبر نام جو کسی تعارف کا محتاج نہیں اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے استعمال سے ادب میں اپنا ایک اہم مقام بنا چکے ہیں۔ اختر رضا سلیمی کا تعلق مشہور ہزارہ کڑال قبیلے سے ہے۔ اس قبیلے کے افراد سردار کو اپنے نام کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کڑالوں کے بارے میں مشہور انگریزی تاریخ دان ڈیزل ابسٹن اپنی کتاب "پنجاب کی ذاتیں" میں لکھتے ہیں

> "تحصیل ایبٹ آباد کا علاقہ کڑال اور تقریباً 200 سال پہلے ان سے آزادی حاصل کی تھی۔ وہ ہندو نہیں ہیں اور نسبتاً جدید دور میں اسلام قبول کر چکے ہیں، لیکن ان کی سماجی عادات میں سابقہ ہندو عقائد کے آثار اب بھی جھلکتے ہیں، جو ان کے گھروں اور گوداموں سے جڑے ہوئے ہیں۔ اور بڑی سادگی اور سختی کے ساتھ کاشت کریں۔" (1)

انہوں نے 1993 میں شہری کی بنیاد رکھی تاہم ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ ہاتھ 2004 میں شائع ہوا۔ اختر رضا سلیمی نے روزنامہ ایکسپریس میں مختلف موضوعات پر لکھا۔ اس میں مزاح، تنقید، مذہبی کہانیاں اور سیاسی کالم شامل ہیں۔ انہوں نے بچوں کے لیے کہانیاں بھی لکھیں جو کامیابی کا باعث بنیں۔ اختر رضا سلیمی کی پہلی غزل ان کے پہلے شعری مجموعے میں شامل ہے۔

اختراع

ان کا اولین مجموعہ ہے جو آکادمی ادبیات راولپنڈی سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوا اور اس میں 23 غزلیں اور کچھ فردیات شامل ہیں۔

تشنگی دشت کے اصرار پر

رکھ دیا ہے آبلے کو خار پر (2)

ارتفاع

یہ ان کا دوسرا شعری مجموعہ ہے جو 46 غزلوں پر مشتمل ہے، جسے راولپنڈی ادبی اکیڈمی نے 2008 میں شائع کیا تھا۔

یزید نے تو کچھ دیر زندگانی کی

میرے حسین نے صدیوں پہ حکمرانی کی (3)

اختراع اور ارتفاع دونوں شعری مجموعوں کو یکجا کر کے "خوشبو میرے ساتھ چل پڑی" کے نام سے روہیل ہاؤس آف پبلیکیشن اقبال مارکیٹ راولپنڈی نے اگست 2009 میں شائع کیا۔

خواب دان

ان کی نظموں کا مجموعہ "خواب دان" سانجھ پبلیکیشن نے شرکت پریس لاہور سے چھپوا کر 2013 میں شائع کیا۔

زمین پہ نہ فلک پر دکھائی دیتا ہے

جو اپنی ذات کے اندر دکھائی دیتا ہے (4)

نہ جانے کیا کمی ہے اس جہاں میں اختر

جو ایک بار گیا لوٹ کر نہیں آیا (5)

جاگے ہیں خواب میں

"جاگے ہیں خواب میں" اختر رضا سلیمی کا پہلا ناول ہے جو دستاویز لاہور کے زیر اہتمام مارچ 2015 میں منظرِ عام پر آیا یہ 2015 میں رومیل ہاؤس آف پبلکیشن اقبال مارکیٹ راولپنڈی سے شائع ہوا۔

غزل اردو ادب کی مقبول ترین صنف سخن ہے اردو ادب کی نمائندہ اور سب سے زیادہ طبع آزمائی کی جانے والی صنف ہے۔ اس میں وارداتِ قلبی کا اظہار ہوتا ہے جس کا ہر شعر مکمل مفہوم ادا کرتا ہے۔ اس سمت میں رنج و غم کا بیان بھی ملتا ہے۔ اس کی مخالفت بھی بہت ہوئی، لیکن اس میں اتنی صلاحیت تھی کہ اسے "نیم وحشی صنف سخن" قرار دیے جانے کے باوجود آج بھی

لکھا جارہاہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ اس انداز کو دل ربائی کہتے ہیں۔ اور سب کی توجہ کا مرکز ہے۔ شاعری کی یہ صنف ہماری تہذیبی، فکری اور ذہنی اقدار کی محافظ ہے۔

بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

"غزل ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہندوستان کی برسوں کی تہذیبی اور سماجی زندگی کی خامیاں کھل کر سامنے آتی ہیں۔" (6)

اصطلاحی معنوں میں غزل ایک ایسی صنف سخن ہے جو مخصوص عناصر ترکیبی پر مشتمل ایک مخصوص ہیت رکھتی ہو۔ جس میں سوزوگداز عشق و عاشقی درد اور کسک کے مضامین ادا کیے جائیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب کسی غزال کو شکاری کتے پکڑتے ہیں تو اس وقت اس کے منہ سے دردناک چیخ نکلتی ہے، اسے غزل کہتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر یوسف حسین خان:

"دل کے اندرونی تجربوں میں تخیل اور جذبے کی ایسی آمیزش ہوتی ہے کہ وجدان اس کیفیت سے عہد ہو سکتا ہے اور اس کا اظہار غزل میں ہوتا ہے۔" (7)

اردو ادب کی اصناف شاعری میں غزل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ 20ویں صدی کے آغاز تک تمام بلند پایہ شاعروں نے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے غزل کو دوسری اصناف پر ترجیح دی۔ کسی بھی شاعر کی غزل کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے موضوعات کے ساتھ جدت ادا کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ جہاں فکری صداقتیں اور ارفع تخیل شاعری کو مقصدیت کی راہ پر گامزن کرلیتا ہے۔ وہاں محاسن شاعری ان دیکھی کیفیات کو آب و رنگ بخشتے ہیں جس سے اسلوب کی دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔ جہاں تک اختر رضا سلیمی کی شاعری کا تعلق ہے تو وہ فنِ شاعری کے اسرار و رموز سے آگاہ ہیں۔ختر رضا سلیمی کی غزل گوئی پر نگار ڈالی جائے تو اختر رضا سلیمی سچے اور کھرے جذبوں کے شاعر بن کر سامنے آئے وہ معاشرے کے خوبصورت عکاس بن کر شاعری کے منظر نامے پر نمودار ہوئے۔ ان کا شمار فکری لحاظ سے اردو شاعری کی فہرست میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

شعر گوئی اظہار ذات کے ساتھ ابلاغ کا ذریعہ بھی ہے۔ ہر شخص اپنے محسوسات کو دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ گویا وہ دوسروں کو اس تجربے میں شریک کرنا چاہتا ہے جس سے وہ اپنے قلب واحساس کی سطح پر دوچار ہوتا ہے۔ اپنے دل کی بات یا اپنی قلبی واردات کو ایسے پیرائے میں بیان کرنا ہے کہ وہ سیدھی سامع کے دل پر اترتی چلی جائے جو کہ صرف شعر کے موثر

ترین انداز میں ہی ممکن ہے۔ اس طرح شعر کی دو سطحیں سامنے آتی ہیں ایک جذبہ احساس جس کا اظہار و ابلاغ مقصود ہو۔ دوسرا الفاظ کا وہ قالب جس میں دلی کیفیات کو سمویا جاتا ہے۔ چنانچہ شعر کی جمالیاتی پرخ کی بھی دو سطح متعین ہوتی ہیں۔ ایک جذبہ واحساس کی ندرت اور جدت اور دوسرا الفاظ کا انتخاب اور طرز ابلاغ۔ اختر رضا سلیمی کی شاعری دونوں سطحوں پر قابلِ ستائش ہے۔ اختر رضا سلیمی کی شاعر میں فکر، سوچ، مایوسی، اداسی، ادھورا پن پایا جاتا ہے، اگر ہم قدیم غزل گو شعرا کی طرف نگاہ ڈالیں تو میر تقی میر، ولی، مرزا محمد رفیع سودا، خواجہ میر درد، مومن کے نام سر فہرست ہیں۔

انسان اس کائنات میں آتے ہی اپنے لیے بہتر سے بہتر کی تلاش کرنے لگا اس کی جستجو کسی ایک نقطہ پر جا کر ختم نہیں ہوئی بلکہ اس سے بڑھ کر نیا پہلو اس کے سامنے آنے لگا۔ یہ سب صرف اور صرف انسان کی سوچ اور فکر پر مبنی تھا۔ انسان کی سوچنے اور خیال کرنے کا عمل مزید آگے بڑھا تو اس سے کئی درجہ بندیاں میسر آئی۔ کہیں مذہبی لوگ تو کہیں معاشرتی کہیں علم وادب سے تعلق رکھنے والے لوگ تو کہیں شاعر اور فلاسفر بھی اسی رویہ کے ارتقاء میں شامل ہوئے۔ آہستہ آہستہ شعرا نے اپنے خیال کی بلندی اور تخیل کی پرواز سے اپنا لوہا منوایا۔ اردو شاعری نے اس میں اپنا ایک خاص حصہ ڈالا اور ہر دور میں شعراء کرام کے ہاں نئے نئے فکری پہلو انسانی ترقی اور مختلف ایجادات کا ذریعہ بنتے رہے ہیں۔ جب ہم مختلف شعرا کے ہاں تخیلات اور افکار دیکھتے ہیں ان میں اہم نام اختر رضا سلیمی کا نظر آتا ہے۔

اختر رضا سلیمی کا شمار ان شعرا میں ہوتا ہے جو اردو ادب کی ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔ ان کی شاعری نہایت سادہ اور دل میں اتر جانے والی ہے۔ تحرک اور فعالیت ان کی شخصیت کا خاصہ ہے۔ ان کی شاعری میں انفرادیت کا عنصر ملتا ہے۔ شاعری میں ان کی ذات کو بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اختر رضا سلیمی نے کلام میں فکر اور فن کو باہم ملا کر اوجِ کمال تک پہنچا دیا۔ اور ان کی تخلیقات میں فکری و موضوعاتی محاسن کے ساتھ محاسنِ فن بھی باہم پیوست اور مدغم نظر آتا ہے وہ انداز بیان اور لفظی پیرہن میں خوب سے خوب تر ہے۔ وہ ہر منظر پر قاری کی دلچسپی اور جستجو کو مہمیز کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ ان کی تخلیق میں زبان وبیان کی ندرت لب ولہجے کی انفرادیت محاورہ بندی خطیبانہ اور استفہامیہ انداز مختصر بحروں کی دل آویز دلکش نمونے ان کے شاندار اور طرز جدید پر مشتمل شعری تجربات کا ثبوت ہے۔ جن کو اعادہ کرتے ہوئے قاری کو وسعتِ مطالعہ کے ساتھ تازگی و فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام:

مشکل بہت تھا میرا گزارا زمین پر

کچھ وقت میں نے پھر بھی گزارا زمین پر

جنت میں گر پہنچ بھی گئے ہم کسی طرح

وہ بھیج دے گا ہم کو دوبارہ زمین پر

یا تو سہارنے لگی ہے اب زمین مجھے

یا بوجھ ڈالتا نہیں سارا زمین پر

فرصت ملے تجھے تو فلک سے اتر کے دیکھ

کیا حال ہو گیا ہے ہمارا زمین پر

ہم آسماں کی سمت نہ دیکھیں تو کیا کریں

ملتا نہیں ہے کوئی سہارا زمین پر

اجداد میرے جس کے مزارع رہے رضؔا

ہے آج بھی اسی کا اجارہ زمین پر (8)

اختر رضا سلیمی کی غزلوں میں دلکشی کا عنصر شامل ہے۔ جہاں وہ ایک طرف اپنی غزلوں میں حسن و عشق کا ذکر کرتے ہیں وہاں دوسری طرف ہجرت کے دکھ درد ناراضی شکوے جیسے جذبات کو خوبصورت بنانے کے لیے نت نئے تشبیہات واستعارات اور صنائع بدائع کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کی غزل میں داخلی واردات کو نہایت پر سوز لہجے میں بیان کیا ہے وہ کلام میں فن کے ساتھ فکر کو بہت دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں کہ جس میں جذبے کی شدت اور کرب کے جذبات بھی موجود ہے۔

اختر رضا سلیمی کے کلام میں حسن و عشق اور جمالیات کا جامع تصور ملتا ہے۔ انہوں نے نیا شعری پیکر تخلیق کیا ان کے الفاظ جذبوں کی کامیاب رونمائی کرتے ہیں۔ تحقیقی نظر سے ان کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ان کی غزلیہ شاعری میں جدیدیت اور کلاسیکل دونوں انداز شامل ہیں۔

تجھے جو دیکھ کے دیکھوں تو مجھ کو ہر منظر

حسین پہلے سے بڑھ کر دکھائی دیتا ہے (9)

اختر رضا سلیمی نے اپنی غزل میں روایتی سانچوں کا بھی خیال رکھا ہے۔ اور شاعری کے نت نئے اسلوب متعارف کروائے ہیں۔ انسان جذبات کی مجسم صورت ہے شاعری جذبات اور احساسات کی منظم و مربوط صورت میں پیش کرنے کا دوسرا نام ہے۔ حسن و عشق ایسے جذبات ہیں جو کہ انسانی دل پر گہرا اثر کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف انسان ان کیفیات کو محسوس کرتا ہے بلکہ ان جذبات و احساسات کو لفظی پیکروں میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

ولی کاکوری نے اپنی کتاب "تنقیدی ادب" میں لکھا ہے کہ:

> "شاعرانہ دماغ، جمال و کمال، کی ازلی تصویروں کا مرقع ہوتے ہیں یہی چیزیں اس کا سرمایہ خیال اور اس کے مطالعے کا ذریعہ ہیں۔ اس کی رنگ آمیزی جمال و کمال ہی سے ہوتی ہے۔ شاعر کے ذہن کا خالق یا مصور کہنا چاہیے کیونکہ اس کا طریقہ تفکر ان معمولی زمین تصور کے مقابلے میں خصوصی اور انفرادی اشیاء تک وسیع ہے۔" (10)

نظم شاعری کی وہ شکل ہے جس میں کہانی، واقعہ، تجربہ یا خیال کو مسلسل پیش کیا جاتا ہے۔ کیونکہ نظم کا مفہوم پرانے اور نئے کو یکجا کرنا ہے۔۔ نظم ایک ایسی صنف سخن ہے جس میں متعین موضوع پر مضبوط طریقہ سے اظہارِ خیال کیا گیا ہو اور خارجی ماحول اور زندگی کی عکاسی اس طرح کی گئی ہو کہ شاعری کے ذاتی تجربات اور انفرادی تجربات واضح ہو جائیں۔ نظم کو صرف داخلی یا خارجی زندگی تک محدود کرنا نظم کے اصول و مزاج سے انحراف ہو گا۔ جب ہم نظم کے قدیم اور جدید سرمائے پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس کا دامن رنگارنگ اور متنوع مضامین سے مالامال نظر آتا ہے۔ مناظر قدرت کا بیان، مختلف موسموں کا ذکر، تہواروں پرندوں کا ذکر، حسن و عشق کے معاملات، اخلاقی اور مذہبی موضوعات، سماجی، سیاسی، قومی، معاشرتی معاشی مسائل، فلسفیانہ اور رموز و نکات غرض حیات و کائنات کے کم و بیش سبھی گوشوں کو ہماری نظم نے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

نظم کا ارتقاء بھی بتدریج ہوا جیسے جیسے سماجی شعور نے ترقی کی اس طرح نظم کے موضوعات میں بھی وسعت آتی گئی۔ نظم غزل کے برعکس ہے نظم ایک مسلسل خیال کے تحت وہ وقوع پذیر ہوتی ہے جبکہ غزل کا ہر شعر ایک مکمل اکائی رکھتا ہے۔ بیان کے لحاظ سے نظم کو نثر پر فوقیت حاصل ہے۔ عام طور پر شاعری اور نظم کو ہم معنی قرار دیا جاتا ہے۔ نظم میں تاثر کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے کیونکہ اشعار زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ن نظم کا لفظ مختلف ادوار میں مختلف معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے دراصل تمام اصناف شاعری نظم کے زمرے میں آتی ہیں۔ نظم کی سب سے بڑی خوبی موضوع اور ہیئت کی آزادی ہے۔ نظم فرد کی انفراد کی عکاس ہے۔

جیسے جیسے زمانے کے تغیرات نے ادائیں دکھائیں۔ انقلابات ہوئے ایجادات کے کرشمے منزل عام پر آئے انسانی شعور نے آنکھیں کھولیں زمانے کے نئے نغمات ذہنی صورتوں سے ٹکرانے لگے۔ جس سے شاعری کی مختلف اصناف کا چناؤ کیا گیا۔ قدیم زمانے میں جو شعر کہا جاتا تھا اسے شاعری کا نام دیا جاتا تھا۔ اردو نظم کا چوتھا اور آخری دور ادبی حلقوں میں نئی شاعری کے نام سے جانا جاتا ہے اس نئی شاعری میں پرانی روایات کو کوئی دخل نہیں۔ نئے مسائل، نئے موضوعات، نئے رجحانات کو موضوع بنایا گیا جس میں آج کا انسان زندگی جی رہا ہے۔ نئی شاعری بے یقینی کیفیت بحال زندگی اور الجھنوں میں پھنسے انسان کی شاعری ہے۔ نئی نظم کے شاعر کا تصور جب کیا جاتا ہے تو اس کے پس منزل میں بے حال اور الجھا ہوا انسان نظر آتا ہے۔

اس حوالے سے ڈاکٹر طارق ہاشمی لکھتے ہیں کہ :

"وہ نظریاتی طور پر کسی سیاسی گروپ کا حصہ نہیں ہیں۔ اور نہ ہی کوئی مخصوص فکری گفتگو شناخت کی تشکیل میں کوئی کردار ادا کرتی نظر آتی ہے۔" (11)

اختر رضا سلیمی کی شاعری کے مطالعے سے ان کا شعری ذوق اور نظم میں خیالات اور موضوعات کی وسعت واضح نظر آتی ہے۔ وہ محبت کے لطیف جذبات یادِ یار، درد، غم، تنہائی، امید، آس، خواہش، حسرت کی خوبصورت لفاظی بھی کرتے ہیں۔ اختر رضا سلیمی کی بہت سی نظمیں ان کی ذات کے ارد گرد پھیلی ہوئی ہیں۔ جو لائق مطالعہ ہیں۔ "منظر اک بلندی پر" ایک ایسے مقام کی جستجو سے عبارت ہے جو رفتگاں کی فکری و تخلیقی انفرادیت کے نقوش سے گرد آلود نہ ہو۔ اس نظم کا شعری متن ایک ایسے علاقے کی خواہش کا اظہار یا ہے جو نظم میں موجود کردار کی تخلیقی انفرادیت کے اظہار کے لیے مکمل طور پر ہموار اور تیار ہو تاکہ وہ اپنے حقیقی معنی وہاں ثبت کرکے ابد آثار ہو سکے۔ نظم دیکھیے

منظر اک بلندی پر

میں کھڑا ہوں وادیِ خوش خواب میں

اور میرے چار جانب دور تک پھیری ہوئی ہے

منظروں کی کہکشاں

اور منظروں پر ثبت ہیں

ان دیکھنے والوں کی نظروں کے نشاں

جو یہاں سے جا چکے ہیں

منظروں کی دوسری جانب

جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آیا

وہ جا چکے ہیں

اپنے ہونے کی مکمل داستان ان منظروں پر ثبت کر کے

میں بھی ایک منزل پر اپنا آپ لکھنے آیا ہوں

لیکن کہاں لکھوں

یہاں

سب منظروں پر گرد ہے

گزرے ہوئے لوگوں کی بینائی کی گرد

میں شفاف منظر پر

نظر سے دستخط کر کے ابد آثار ہونا چاہتا ہوں

ایسے ایک منزل پر جو پہلے

کسی بھی آنکھ پر اترا نہ ہو (12)

جب ان نظموں کے ساتھ "بلا عنوان" کو شامل کیا جائے تو جدید حالات کی طرف ان نظموں کے مرکزی کردار کے فکری اور جذباتی رد عمل کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور جس پس منظر نے تلاش کے لیے اس کردار کو جنم دیا وہ سامنے لایا جاتا ہے۔ وقت کے وسیع جغرافیہ میں سفر کرتے ہوئے وجود کے حقیقی معنی۔ میں جاگا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔

میرے ہم زاد سارے مٹ چکے تھے

اور ان کی ہڈیوں پر وقت کی کائی جمی تھی

مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

باہر وہی منظر تھا

بستی بس رہی تھی

اور گلی کوچوں میں استبداد کا سکہ برابر چل رہا تھا (13)

غزل میں اچھی نظم لکھنا چاول کے دانے پر ایماندارانہ سطر لکھنے کے مترادف ہے اور اختر رضا سلیمی نے اس مشکل کام کو پورا کیا ہے۔ اختر رضا سلیمی کی نظموں میں خیالات اور احساسات کا حسین امتزاج ہے، صدیوں پرانی شعری روایات کی میراث ہے اور نئی شاعری میں کم ہی ملتی ہے۔ رضا سلیمی اکثر دکھاوے یا گھمنڈ کے بغیر کہتے ہیں، ایسی چیز جسے ہم نہ صرف محسوس کرتے ہیں بلکہ سوچتے بھی ہیں۔ سلیمی بنیادی طور پر ایک فکری شاعر ہیں، کہانیوں کے اس مجموعے میں 40 سے زیادہ فکری نظمیں ہیں، جو اختر رضا سلیمی کی عمر کے مقابلے میں کوئی کم نہیں۔ اختر رضا سلیمی نئی شعرا کی بہت پرجوش آواز ہیں۔ آپ میں وقت کو دیکھنے اور اداسی کو شیر میں بدلنے کی صلاحیت ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ سانیٹ اور شاعری کے ماحول سے واقف ہے۔ ان کی نظموں کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اگر موضوع کی شبیہہ میں بگاڑ کا خطرہ ہو تو ناکامی کی اجازت دینا سمجھ میں آتا ہے۔

پوچھیے ہم سے بتا سکتے ہیں ہم "، "تشکیک جزو ایماں ہے"، اور "شبھ گھڑی"، "اک بے نام بستی کے کچھ مناظر"، "یہ آگ جدا جدا لگی ہے"، دوسرا جنم" کے کچھ مناظر، کہ بول جدید ہیں۔ دوسرے کے وجودی معنی کو متعین کر کے وجود کے معنی کو سمجھنا وقت کی منطق نہیں ہے۔ اس میں خلائی سیٹلائٹ کے ساتھ ساتھ غیر خلائی سیٹلائٹ کی خواہشات اور خواہشات بھی شامل ہیں۔ اور ایک دوسرے کے وجودی مفہوم کی غیر یقینی صورت حال کی پہچان بھی، جس پر وجودی مفہوم کی غیر یقینی صورت حال اور ان کے نصوص کی بنیادی نوعیت کے مفہوم کے بارے میں شبہات قائم ہیں۔ لہٰذا، یہ تحریریں ہمیں دوسرے کی اہمیت کا ایک مضبوط تاثر دیتی ہیں جن سے "شبھ گھڑی" کی علیحدگی نے اس کے بنیادی کردار کے لیے علمی وجود کے تمام دروازے کھول دیے، لیکن پھر یہ شبہ گری ایک افسانے میں بدل گئی۔ اب ان شاعرانہ نصوص کا مرکزی کردار اس دوسرے سے الگ ہونے کے لیے ایک نئے جنم کی خواہش رکھتا ہے۔ اس کے وجود کے لیے دوسرے اس پر وقت اور بے وقت کی سرحدوں کے درمیان تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اس سے اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ دوسرا اس کے لیے وقت کے ایک نہ ختم ہونے والے تصور کی طرح ہے، جس میں وہ داخل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اسے داخل ہونا چاہیے۔

کُن سے پہلے کا جہاں "وجود کے معنی سے زیادہ اس کی معنویت پر اصرار کرتی ہے۔ اس متن کا کردار کُن سے پہلے کہ جہاں تک رسائی طلب کرتے ہوئے تاریخ کی وہ گمشدہ کڑیاں تلاش کرنا چاہتا ہے جن کی گمشدگی کے باعث انسانی وجود کی معنویت مکمل طور پر محدوم ہو چکی ہے۔

"مستقبل کو یاد رکھنے کی خواہش" اور وقت کے ابدی اور ابدی آثار کی تلاش نہیں، بلکہ نظم کی نوعیت - دوسرے کا وجودی انکشاف، جو اپنے وجود کے علم کے لیے ضروری ہے۔ اختر رضا سلیمی کی نظموں میں وقت کی انتہائی اہمیت بلا وجہ نہیں ہے۔ "تجسیم" کا متن ایک ایسے کردار کو پیش کرتا ہے جو ناوقت کے سمندر کے اسرار کو وقت کے منطقوں کے ذریعے معرض تفہیم میں لانے کی جستجو کرتا ہے۔ لیکن وقت سے تجاوز کرنے کا مطلب ایک بے جان ذرہ نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب ہے اس اسرار کو جس کی وہ تلاش کرتا ہے اور جس کی تلاش میں اس کی زندگی فرد کے اندھے پاتال میں پھنسی ہوئی ہے۔ یہ آپ کو وقت سے باہر کسی چیز کا مالک بننے کو سمجھنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ وجود کی اصل اور زندگی کا جوہر ہے۔

اختر رضا سلیمی بعض علاقے تصوف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ان تحریروں سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ نظم اپنے رنگ اور اسلوب میں دوسرے شاعروں کی غزلوں سے مختلف ہے۔ میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہوں جس کی تخلیقی راہ کو بعض بنیادی تعریفوں کی روشنی میں متعین کیا گیا ہو، اور ایسے شاعر، قابل ذکر، موجود نہیں ہیں۔ ان کی پوری شرعی ناف کو ان کی شخصیت کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ اس حوالے سے اختر رضا سلیمی واحد شاعر ہیں جنہوں نے دور جدید میں منتخب راستے پر گامزن کیا ہے۔

محمد اظہار الحق اختر رضا سلیمی کے مجموعۂ خبریں میں لکھتے ہیں کہ اختر رضا سلیمی کی خوبصورتی اور سادگی انہیں دوسرے ہم عصر شاعروں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو شکل اور تفہیم کھو دیتے ہیں اور ساتھ ہی زبان کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ سلیمی انتہائی پیچیدہ موضوع کو شاعری میں آسانی کے ساتھ ضم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ سلیمی اپنے ارد گرد ایسے معانی تلاش کرتا ہے جو طویل عرصے سے موجود ہیں، لیکن اس نقطہ نظر سے ان کی تلاش نہیں کی گئی جس کا سلیمی کو سامنا ہوا۔ جس نقطہ نظر سے سلیمی نے نظمیں کہی ہیں وہ ان کا اپنا نقطہ نظر ہے۔

حوالہ جات:

1. سر ڈیزل ابسٹن، "پنجاب کی ذاتیں"، (لاہور: ترجمہ یاسر جواد فکشن ہاؤس، 2015ء)، ص، 385
2. اختر رضا سلیمی، "خوشبو میرے ساتھ چل پڑی"، (راولپنڈی: رومیل ہاؤس آف پبلیکیشن، 2009ء)، ص 22
3. ایضاً، ص 31
4. ایضاً، ص 125
5. اختر رضا سلیمی، "خواب دان"، (لاہور: سانجھ پبلیکیشن، 2013ء)، ص 19
6. عبادت بریلوی، ڈاکٹر، "اُردو کلاسیکی شاعری"، (لاہور: ایورنیو بک پبلش الکریم پلازہ اُردو بازار، 1963ء)، ص 404
7. یوسف حسین خان، ڈاکٹر، "اردو غزل"، (دہلی: مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ، جولائی 1974ء)، ص 3
8. اختر رضا سلیمی، خوشبو میرے ساتھ چل پڑی، ص 51
9. ایضاً، ص 54
10. ولی کاکوری، "تنقید و ادب" (دوسرا ایڈیشن)، (کراچی: مکتبہ رحمانیہ، 2002ء)، ص 15
11. طارق ہاشمی، ڈاکٹر، "جدید نظم کی تیسری جہت اور چوتھا پڑاؤ"، مشمولہ: نقاط (نظم نمبر) شمارہ 100، (فیصل آباد: نقاط مطبوعات، 2011ء)، ص 94
12. اختر رضا سلیمی، خواب دان، ص 31
13. ایضاً، ص 59